مولانا اکرام اللہ جان قاسمی ☆

سیرت کی تعریف اور حدود و قیود

لغوی تحقیق:۔

سیرت جسے عربی میں السیرۃ لکھا اور پڑھا جاتا ہے عربی زبان کا لفظ ہے اور اس سے فعل ساریسیر سیراً ومسیراً ومسیرۃً وسیرورۃً (باب ضرب یضرب) مستعمل ہے بمعنی چلنا، پھرنا، جانا، سفر کرنا، عمل کرنا، مشہور ہونا۔

السیرۃ اسی ساریسیر کا اسم ہے جس کا استعمال مختلف معانی کیلئے ہوتا ہے مثلاً روش، طور طریقہ، چال چلن، ڈھنگ، طرز زندگی، کردار، سنت، عادت، شکل و صورت، ہیئت، حالت، کہانی، قصہ، واقعہ۔(۱)

لوئس معلوف کی مشہور کتاب المنجد فی اللغۃ میں السیرۃ کی توضیح اس طرح کی گئی ہے السیرۃ اسم من سار– السنّۃ والطریقۃ والمذھب والھیئۃ۔ السیرۃ ساریسیر کا اسم ہے بمعنی سنت، طریقہ، مذہب اور ہیئت ۔ سیرۃ الرجل صحیفۃ اعمالہ و کیفیۃ سلوکہ بین الناس کسی شخص کی سیرت کا مطلب ہے اس شخص کی سوانح حیات اور لوگوں کے ساتھ اس کے برتاؤ کا انداز۔ یقال ھو حسن السیرۃ و منہ قولھم " من طابت سریرتہ حُمدت سیرتہ " کہا جاتا ہے کہ فلاں اچھی چال چلن کا حامل ہے اور اسی سے عرب کا قول ہے کہ جس کا باطن پاکیزہ ہوتا ہے اس کا کردار قابل ستائش ہوتا ہے(۲)

علامہ جاراللہ زمخشری اساس البلاغۃ میں وضاحت کرتے ہیں

السیرۃ – سار الوالی فی الرعیۃ سیرۃً حسنۃً بادشاہ اپنی رعایا میں اچھے کردار اور چال چلن کے ساتھ مشہور ہوا واحسن السیر بہترین اخلاق و کردار والا۔ وھذا فی سیر الاوّلین یہ پہلے لوگوں کے واقعات میں پایا جاتا ہے۔ وقال خالد بن زھیر

فلا تغضبن من سنۃٍ انت سرتھا . فاؤل راضی سنۃ من یسیرھا

☆ استاد علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج آف کامرس، مردان

خالد بن زھیر کا شعر ہے کسی ایسی عادت وروش پر تجھے غصے میں نہیں آنا چاہئے جو تو خود کر چکا کیونکہ کسی طریقہ پر راضی ہونے والا پہلا شخص وہ ہوتا ہے جو اسے بذات خود کر چکا ہے (۳)

صاحب تاج العروس محمد مرتضٰی الزبیدی نے بھی السیرۃ کے یہی معانی بیان کئے ہیں (۴)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی القاموس المحیط میں لکھتے ہیں

السیرۃ بالکسر السنۃ والطریقۃ والھیئۃ والمسیرۃ السیرۃ س کے زیر کے ساتھ سنت، طریقہ، ہیئت اور مسافت کے معنوں میں مستعمل ہے (۵)

ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ سیراً کے معنی چلنے اور رخصت ہونے کے آتے ہیں جیسے حدیث حذیفہؓ میں ہے تسایر عنہ الغضب اس سے غصے کے آثار رخصت ہوگئے۔ اس کے علاوہ سیرۃ کا لفظ مسافت کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور السیارۃ کے معنی قافلہ کے ہیں۔ نیز السیرۃ کے معنی ہیئت اور حالت کے بھی آتے ہیں (۶)

قرآن میں اس مادہ کا استعمال

قرآن پاک میں السیر اور السیرۃ کے الفاظ انہی لغوی معانی میں استعمال ہوئے ہیں سورہ طور میں ارشاد ہے وتسیر الجبال سیراً اور پہاڑ اپنی جگہ سے چل پڑینگے (۷)

سورۂ روم میں ہے

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ط کیا یہ لوگ زمین میں نہیں پھرے کہ دیکھ لیتے انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گذرے ہیں (۸)

سورۂ قصص میں ہے

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَھْلِہٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ط

پس جب موسیٰ اپنی مدت پوری کر چکے اور اپنی اہلیہ کو ساتھ لیکر چل دیئے تو ان کو کوہ طور کی طرف سے آگ (روشنی) دکھائی دی (۹)

سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہے

خُذْھَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی ہ

اس (اژدھا) کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں۔ ہم اسے پہلی والی ہیئت پر لے آئیں گے (۱۰)

گویا قرآن پاک میں یہ الفاظ چلنے پھرنے اور ہیئت وحالت کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

آثار صحابہؓ میں استعمال:۔

سیرۃ کا لفظ آثار صحابہ میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے

قام علیؓ علی المنبر فذکر رسول اللّٰہؐ فقال قبض رسول اللّٰہؐ واستخلف ابوبکرؓ فعمل بعمله وسار بسیرته حتی قبض اللّٰه عزوجل علی ذالك ثم استخلف عمرؓ علی ذالك فعمل بعملهما و سار بسیرتهما حتی قبض اللّٰه عزوجل علی ذالك۔

ترجمہ:۔ حضرت علیؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور آپؓ نے رسول اکرمؐ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب رسول اکرمؐ وفات پاگئے تو آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب کئے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ جیسے کام کئے اور آپؐ کی سیرت پر چلے یہاں تک کہ آپؓ فوت ہوگئے تو حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب کئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں جیسے کام کئے اور ان کی سیرت پر چلے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو بھی قبض کرلیا (۱۱)

اسی مسند ابن حنبل کی دوسری روایت ہے

عن ابی وائل قال قلت لعبدالرحمن بن عوف کیف بایعتم عثمانؓ و ترکتم علیاؓ قال ماذ نبی قد بدأت بعلیؓ فقلت ابایعك علی کتاب اللّٰه وسنة رسوله وسیرة ابی بکر و عمر رضی اللّٰه عنهما قال فقال فیما استطعت قال ثم عرضتها علی عثمانؓ فقبلها.

ترجمہ:۔ حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ آپ لوگوں نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کی بیعت کیوں کی؟ انھوں نے کہا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں میں نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر تمھاری بیعت کرتا ہوں، حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ میں حسب استطاعت ذمہ داری نبھاؤنگا پھر میں نے حضرت عثمانؓ سے یہی بات کی تو انھوں نے اسے تسلیم کرلیا (۱۲)۔

پہلی حدیث میں سار بسیرتہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جبکہ دوسری حدیث میں سیرۃ ابی بکر کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔

اصطلاحی مفہوم :۔

اس سے قبل سیرت کے لغوی معنی میں بیان ہو چکا کہ سیر کے معنی چلنے، پھرنے اور سفر کرنے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہ لفظ پہلے پہل جہاد و غزوات کیلئے استعمال ہونے لگا کیونکہ جہاد و غزوات میں سفر اور انتقال مکان ہوا کرتا تھا۔

کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے

"مغازی کو سیر اس لئے کہتے ہیں کہ اوّل امورھا السیر الی الغزو یعنی میدان جنگ کی طرف چل کر جانے سے جہاد و مغازی کی ابتداء ہوتی ہے" (۱۲)

شیخ محمد طاہر پٹنی "مجمع بحار الانوار" میں کتاب السیر کی ابتداء یوں کرتے ہیں

کتاب السیر۔ جمع سیرۃ بمعنی الطریقۃ لأن الأحکام المذکورۃ فیھا ملتقاۃ من سیر رسول اللّٰہ ؐ فی غزواتہ۔ السِّیَر سیرۃ کی جمع ہے جو کہ طریقہ کے معنی میں ہے اسلئے کہ اس میں ذکر شدہ احکام رسول اکرم ﷺ کے غزوات سے لئے گئے ہوتے ہیں (۱۳)

المغرب میں ہے

انھا غلبت فی الشرع علی امور المغازی وما یتعلق بھا

یہ لفظ زیادہ تر مغازی اور اس سے متعلقہ امور کے بارے میں استعمال ہوتا ہے (۱۴)

اس کے بعد اس لفظ کے معنی میں وسعت پیدا ہوئی اور اس کے مفہوم میں جہاد و غزوات کے علاوہ کفار و مشرکین اور باغیوں کے ساتھ صلح و امن کے امور، تجارت اور دیگر متعلقات بھی داخل ہو گئے۔ محمد علی الفاروقی لکھتے ہیں کتاب السیر سے مراد سیر الامام و معاملاتہ مع الغزاۃ والانصار والکفار ہے یعنی مسلمان حاکم وقت کا غازیوں، مددگاروں اور کافروں کے ساتھ سلوک و معاملات۔

ایک جگہ لکھتے ہیں :

اصل میں سیر بمعنی چلنا اور جانا تھا اس سے طریقہ کی طرف انتقال ہوا پھر شرع میں اس پر

خاص معنی غالب آگئے یعنی طریقۃ المسلمین فی المعاملۃ مع الکافرین والباغیین وغیرھم من المستامنین والمرتدین واھل الذمۃ یعنی مسلمانوں کا کافروں، باغیوں، پناہ لینے والوں، مرتدوں اور ذمیوں وغیرہ کے ساتھ سلوک و تعلقات (۱۵)

سیرت کے مفہوم میں مذکورہ وسعت اور عموم فقہاء کے نزدیک ہے اور انہوں نے اپنی فقہی کتب میں کتاب السیر کے نام سے الگ باب قائم کر کے اس میں مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ جنگ وامن، معاملات، معاہدات اور سلوک و کردار کے مسائل ذکر کئے ہیں جسے اسلام کے بین الاقوامی قانون (International Law of Islam) کا درجہ حاصل ہے اس سلسلے میں سب سے اہم کتاب امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ (متوفی ۱۸۹ھ) کی کتاب السیر ہے جو شمس الأیمہ محمد بن احمد السرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) کی شرح کے ساتھ چھپ چکی ہے اور عام دستیاب ہے۔

محدثین، ائمہ رجال اور ارباب تاریخ کے ہاں سیرت کا لفظ غزوات و جہاد کے احکام وواقعات کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام حالات کو شامل ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ عجالہ نافعہ میں فرماتے ہیں

"وہ حدیثیں جو ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ، صحابہ کرامؓ اور اہلبیت عظامؓ سے متعلق ہیں اور سرورِ کائنات ﷺ کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے حالات پر مشتمل ہیں وہ "سیر" کے نام سے موسوم ہیں" (۱۶)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا فاضل مقالہ نگار لکھتا ہے

" اس لفظ کا اطلاق حضور سرور کائنات ﷺ کی حیات مبارکہ پر پہلے بھی ہوتا تھا اور اب بھی اس کا اصطلاحی مفہوم یہی ہے۔ سیرت کی اولین کتابیں چونکہ مغازی کہلاتی تھیں اس لئے سیرت کے معانی میں خصوصیت سے آنحضرت ﷺ کے مغازی کا بیان اور بعد ازاں آپ ﷺ کی زندگی کے حالات کا بیان شامل ہو گیا" (۱۷)

اکثر محدثین مغازی و سیر کو ایک ہی چیز گردانتے ہیں اور یہ اس لئے کہ ابتداء سیر سے مراد صرف غزوات لئے جاتے تھے اور اس کے مفہوم میں ابھی زیادہ وسعت نہیں آئی تھی چنانچہ

ابن اسحاق کی مشہور کتاب کو سیرت ابن اسحاق بھی کہا جاتا ہے اور مغازی ابن اسحاق بھی۔ اسی طرح حافظ ابن حجر العسقلانی نے فتح الباری میں کتاب المغازی کیلئے " الجھاد والسیر " کے عنوان سے باب باندھا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی میں لکھتے ہیں

" تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اموی وغیرہ ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے سوا اور چیزیں بھی اس میں داخل کر لی گئیں مثلاً مواھب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے" (۱۸)

مشہور جرمن مستشرق جوزف ہوروویٹس (Joseph Horovitz) لکھتا ہے

" مغازی ان جنگوں کو کہتے ہیں جن میں حضور ﷺ خود شریک ہوتے۔ اس اعتبار سے مغازی کا دائرہ غزوات رسول ﷺ اور شریک جنگ صحابہ رسول ﷺ تک محدود رہنا چاہئے تھا لیکن اس اصطلاح کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اور عہد رسالت کے سارے واقعات پر کیا جانے لگا" (۱۹)

بعد کے ادوار میں سیرت کے مفہوم میں مزید وسعت سے کام لیا گیا اور اسے رسول اکرم کی حیات طیبہ کے علاوہ صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی زندگیوں کے واقعات کیلئے بھی استعمال کیا جانے لگا جیسے کتاب سیرۃ الصحابہ، سیرت عائشہ، سیرت عمر بن عبدالعزیز، سیرت النعمان اور سیرت ابن تیمیہ وغیرہ کتابیں لکھی گئی ہیں اور عام طور پر ملتی ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق سیرت کا مفہوم طریقہ و مذہب، سنت، ہیئت، حالت اور کردار تک محدود نہیں بلکہ اس سے مراد داخلی شخصیت، اہم کارنامے اور اکابر کے حالات زندگی بھی ہیں (۲۰)

ڈاکٹر صاحب موصوف نے مذکورہ عبارت میں اکابر کے حالات زندگی کو بھی سیرت کا نام دیا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ اسی کتاب میں انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے علاوہ کسی اور کیلئے سیرت کے لفظ کو استعمال کرنا بدعتی کہا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں

"تمام اشخاص کی Biography (سوانح حیات) کو سیرت کہنا زیادتی ہے کیونکہ سیرت کے لفظ کو اصولی طور پر آنحضرت ﷺ کے حالات ہی سے مخصوص سمجھنا چاہیئے" (۲۱) راقم کے خیال میں ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے کہ جب سیرت کا لفظ علی الاطلاق استعمال کیا جائے تو اس سے صرف اور صرف آنحضرت ﷺ کی سیرت مراد لینی چاہیئے اور اس مطلق صورت میں سیرت کا لفظ آنحضرت ﷺ کی حیات کے علاوہ کسی اور کیلئے استعمال کرنا زیادتی ہو گی۔ ہاں جب اضافت یا کسی اور قید کے ساتھ ذکر کیا جائے تو پھر درست ہو سکتا ہے۔

سیرت کی مذکورہ اصطلاحی تعریفات کو مدنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام حالات، واقعات، غزوات، شمائل و اخلاق، پسند و ناپسند فرمودات اس سے متعلقہ اقوال، افعال و تقریرات، ازواج مطہرات، اہلبیت عظام، صحابہ کرام اور غیر مسلموں کے ساتھ تعامل و معاملات بلکہ زمانہ قبل پیدائش و بعد وفات کے وہ واقعات جن کا تعلق آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے سیرت کہلاتے ہیں۔

سیرت کی حدود و قیود

مسلمان علماء کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ جب وہ کسی علم یا فن کی تعریف بیان کرتے ہیں تو یہ تعریف ایسی جامع و مانع ہوتی ہے جس سے اس علم یا فن کی حدود خود بخود متعین ہو جاتی ہیں۔ اس تعریف سے اس علم و فن کا نہ کوئی فرد باہر رہ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی باہر کا فرد اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعریف کو اہل علم کے ہاں حد بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ سیرت کی مذکورہ تعریفات کی روشنی میں سیرت کی حدود بھی متعین ہو جاتی ہیں یوں کہا جا سکتا ہے کہ سیرت مندرجہ ذیل پہلوؤں پر مشتمل ہے

۱) وہ تمام واقعات جو رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے قبل کے ہیں اور آپ ﷺ سے متعلق ہیں مثلاً عبد المطلب کا حضرت عبد اللہ کو ذبح کیلئے پیش کرنا اور پھر ان کی جگہ سو اونٹ فدیہ میں ذبح کرنا۔ جس کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے

انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کی اولاد ہوں ایک حضرت اسماعیلؑ اور دوسرے حضرت عبد اللہ (۲۲)

۲) وہ تمام واقعات جو آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت خصوصی طور پر ظہور پذیر ہوئے مثلاً ایوان کسریٰ کے کنگورے گرنا، مجوس کے آتش کدہ کا ٹھنڈا ہونا، بحیرہ ساوہ کا خشک ہونا اور اس کے گرجے منہدم ہونا (۲۳)

۳) وہ تمام حالات و واقعات جو آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد نبوت ملنے تک آپ ﷺ کی ذات کے حوالہ سے وقوع پذیر ہوئے مثلاً آپ ﷺ کی رضاعت و حضانت، واقعہ شق صدر، بحیرا راہب کی پیش گوئی، جنگ فجار، حلف الفضول، حجر اسود کی تنصیب، آپ ﷺ کا سفر شام، حضرت خدیجہؓ سے شادی اور غار حرا میں تعبد وغیرہ (۲۴)

۴) نبوت سے لیکر وفات تک کے سارے حالات، واقعات، شمائل واخلاق، عادات و کردار، معمولات، حلیہ ومزاج، خانگی وبیرون خانہ زندگی میں تعامل و معاملات، پسند و ناپسند فرمودات، عزیزوں، رشتہ داروں، خادموں، دوستوں، دشمنوں، مخالفوں، بت پرستوں، مجوسیوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ برتاؤ و سلوک وغیرہ۔

۵) وہ تمام حالات و واقعات جو آپ ﷺ کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہوئے اور آپ ﷺ سے متعلق ہیں مثلاً آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین اور تدفین، جیش اسامہ کی روانگی (کیونکہ اس کی تشکیل آپ ﷺ نے فرمائی تھی) اور آپ ﷺ کے متروکات وغیرہ کا بیان۔

سیرت کے مذکورہ اجزاء و مشمولات کو مدنظر رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور پر سیرت کا اطلاق نہیں ہوتا۔

۱) قرآن پاک و احادیث طیبہ کا وہ حصہ جو عقائد سے متعلق ہے اور اس میں مسلمانوں کی ذہنی و قلبی اصلاح کی گئی ہے۔

۲) قرآن کریم واحادیث طیبہ کا وہ حصہ جو احکام یعنی اوامر و نواہی سے متعلق ہے۔ یہ فقہاء کا میدان کار ہے اور اس میں وہ حلال و حرام کی تصریح کے تحت فرائض و

واجبات اور منہیات وغیرہ کا درجہ متعین کرتے ہیں۔

۳) وہ آیات واحادیث جن میں یہود و نصاریٰ اور دیگر غیر مسلم اقوام کے ساتھ بحث اور مخاصمہ ہوا ہے۔ یہ متکلمین کا میدان ہے جس میں وہ باطل مذاہب و اقوام کے عقائد و نظریات کی تردید اور اسلامی عقائد و نظریات کا اثبات کرتے ہیں۔

۴) وہ آیات واحادیث جن میں موت، مابعد الموت، حساب و کتاب اور جنت و دوزخ کا ذکر ہے یہ واعظین کا موضوع ہیں جن کے ذریعہ وہ تذکیر اور وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اہل ایمان کے دلوں میں نرمی پیدا کرتے ہیں۔

۵) وہ آیات و احادیث جن میں اچھے اعمال کے فضائل اور برے اعمال کے رذائل مذکور ہیں یہ بھی واعظین کا موضوع ہیں اور ان کے ذریعہ اچھے اعمال کی ترغیب اور برے اعمال کی ترہیب دی جاتی ہے۔

۶) زمانہ جاہلیت کے وہ واقعات جو کسی صحابی نے آپ ﷺ کے سامنے بیان کئے۔

۷) ازواج مطہرات، اہلبیت عظام اور صحابہ کرام کے وہ اقوال و افعال جن کا تعلق صرف ان کی اپنی ذات کے ساتھ ہے۔

۸) رسول اکرم ﷺ کے زمانہ سے متعلق دنیا کے عام حالات و واقعات جن کا رسول اکرم ﷺ کی ذات سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے سیرت کے موضوع سے خارج ہیں۔

بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سیرت، فنِ حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات سے متعلق ہیں تو یہ سیرت بن گئی۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ فن سیرت اور فن حدیث میں موضوع اور طریق کار کی مماثلت کے باوجود اختلافات موجود ہیں (۲۵)

حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری اپنی کتاب اصح السیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

"اصحاب حدیث دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں (۱) رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا (۲) رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا (۳) رسول اللہ ﷺ کے سامنے یا رسول اللہ ﷺ کے

وقت میں کیا کیا گیا۔ اصحاب سیرت بھی انہی تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ اسلئے اصل کام دونوں کا ایک ہے مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ان کی بحث ضمناً ہوتی ہے اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ ﷺ کو جاننا ہے احکام پر ان کے ہاں بحث ضمناً ہوتی ہے اسلئے محد ثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا قول رسول اللہ ﷺ کا ہے یا نہیں۔ ان کی تمام تر قوت اس تحقیق پر صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔ لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوا اس کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں ایک یہ کہ حضور ﷺ نے کب ایسا کہا یا کیا۔ دوم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی ؟ اصحاب سیرت حضور ﷺ کے اقوال و افعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اسباب و علل کو بھی جاننا چاہتے ہیں اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ کا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا طریقہ ہو گیا گو یہ نہ معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کب، کس دن، کس تاریخ کو ایسا کہا یا ایسا کیا" (۲۶)

حدود و قیود کے حوالہ سے فن سیرت نگاری بھی فن حدیث کی طرح روایت اور درایت کے اصولوں کا پابند ہے یہی وجہ ہے کہ جب فن حدیث اور فن سیرت کی تدوین ہوئی تو روایت اور درایت دونوں جہتوں سے اچھی طرح تحقیق سے کام لیا گیا۔ سیرت نبوی کے واقعات باقاعدہ طور پر عہد نبوت کے تقریباً ایک سو سال بعد قلمبند ہوئے اور اس وقت بھی سیرت نگاروں کا ماخذ کتابوں کے بجائے زبانی روایات تھیں تاہم مسلمانوں نے تحقیقی اعتبار سے فن سیرت کا ایسا معیار قائم کیا جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہے زبانی روایات کی چھان بین کیلئے جو اصول قائم کئے گئے ان میں پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریکِ واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریکِ واقعہ تک تمام راویوں کے نام بترتیب بتائے جائیں اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے ؟ کیسے تھے ؟ کیا مشاغل تھے ؟ چال چلن کیسی تھی ؟ حافظہ کیسا تھا ؟ سمجھ

کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟

ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا لیکن ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں کھپا دیں وہ ایک ایک شہر میں گئے راویوں سے ملے ان کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (Biography) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہو گیا جس کی بدولت آج کم از کم ایک لاکھ اشخاص کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر ڈاکٹر سپرنگر کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ سپرنگر ہی تھا جس نے "الاصابہ" کے دیباچہ میں لکھا تھا کہ نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے (۲۷)

واقعات کی تحقیق کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟ یہ اصول دراصل قرآن سے لیا گیا تھا۔ حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو بہت سے اچھے خاصے لوگ شک میں مبتلا ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برائت کی آیات جب نازل فرمائیں تو اس میں یہ بھی فرمایا کہ

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ

" سننے کے ساتھ ہی تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ سبحان اللہ یہ تو بہتان عظیم ہے"(۲۸)

یعنی اس طرح اگر کوئی واقعہ بیان کیا جائے جو عقل سلیم اور بیرونی شواہد کے خلاف ہو تو اسے رد کر دینا چاہیئے (۲۹) واقعات کی تحقیق کا یہی اصول درایت کہلاتا ہے اور سیرت نگاروں نے روایت کے ساتھ درایت کے اصول سے بھی خوب کام لیا ہے۔

ایک سیرت نگار کیلئے درایت کے حدود و قیود کے سلسلے میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے جو اصول مرتب کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں، پھر احادیث صحیحہ میں، پھر عام احادیث میں کرنی چاہیئے اگر نہ ملے تو روایت سیرت کی طرف توجہ کی جائے (۲) کتب

سیرت محتاج تنقیح ہیں اوران کے روایات واسناد کی تنقیح لازم ہے (۳) سیرت کی روایتیں باعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں لہذا بصورت اختلاف، احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائیگی (۴) روایات احادیث میں اختلاف ہونے کی صورت میں ارباب فقہ و ہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح دی جائیگی (۵) سیرت کے واقعات میں سلسلہ علت و معلول کی تلاش نہایت ضروری ہے (۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیئے (۷) یہ دیکھنا چاہیئے کہ روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے اور راوی کی ذاتی رائے اور فہم کا کس قدر حصہ شامل ہے (۸) یہ بھی مدنظر رہے کہ اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے؟ (۹) جو روایت عام وجوہِ عقلی، مشاہدہ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہو گی لائق حجت نہ ہو گی (۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق و جمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہیئے کہ راوی کے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے؟ (۱۱) روایات آحاد کو موضوع کی اہمیت و قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیئے (۳۰)

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اصحاب حدیث نے روایت و درایت کا جو بلند معیار قائم کر رکھا ہے اصحاب سیرت اس درجہ بلند معیار بر قرار نہ رکھ سکے کیونکہ بعض اوقات کسی واقعہ کی جزئیات تک رسائی اور معلومات بہم پہنچانے کیلئے محدثین کے قائم کردہ معیار سے نیچے اترنا پڑتا ہے اور اسی لئے اصحاب حدیث کی روایات کا درجہ زیادہ قوی ہے بہ نسبت اصحاب سیرت کے کہ ان کی روایات کا درجہ اس قدر بڑھا ہوا نہیں ہے مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ٹکراؤ کی صورت میں محدثین کی ہی ہر ایک روایت قابل حجت ہو گی اور اہل سیرت کی روایت کو مسترد کیا جائے گا بلکہ بعض اوقات ٹکراؤ کی صورت میں اہل سیرت کی روایت ہی صحیح ہوتی ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں ام حبیبہؓ کو آپ کے عقد میں دیتا ہوں۔ اصحاب سیرت کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے باتفاق اہل سیرت ام حبیبہؓ کا عقد حبشہ میں ہوا۔ اس وقت ابوسفیان کافر اور دشمن تھا۔ جمہور محدثین تسلیم کرتے ہیں کہ صحیح مسلم کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہے۔ اسی طرح بخاری کی روایت ہے کہ افک عائشہؓ کے بعد حضور ﷺ نے مسجد میں فرمایا کہ کون ہے جو ان منافقوں کے مقابلہ میں مستعد

3819

ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں مستعد ہوں۔ اصحاب سیرت کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے وہ متفق ہیں کہ حضرت سعدؓ کا غزوہ احزاب کے بعد بنی قریظہ کا فیصلہ کر کے انتقال ہوا تھا اور صحیح یہ ہے کہ غزوہ مریسیع جس میں افک کا واقعہ ہوا وہ اس کے بعد ہوا ہے اسلئے حضرت سعدؓ افک کے وقت تھے ہی نہیں۔ اکثر محدثین تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ کا نام اس روایت میں رواۃ کا تسامح ہے (۳۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿حوالہ جات﴾

(۱) عبدالحفیظ بلیاوی : مصباح اللغات، ص ۴۱۰، ۴۱۱ / المعجم الاعظم، ج ۳ ص ۱۴۸۷

(۲) لوئس معلوف : المنجد فی اللغۃ، المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت ۱۹۳۷ء ص ۳۷۸

(۳) الزمخشری، جاراللہ، محمود بن عمر : اساس البلاغۃ، طبع القاہرۃ ۱۳۸۲ھ ص ۲۲۶

(۴) الزبیدی، السید محمد مرتضٰی . تاج العروس، ج ۳ ص ۲۸۷، ۲۸۸

(۵) الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب . القاموس المحیط، دارالمعرفۃ بیروت، ج ۲ ص ۵۴

(۶) ابن منظور، الافریقی : لسان العرب، ج ۴ ص ۳۸۹، ۳۹۰

(۷) الطّور : ۱۰

(۸) الروم ۹۰

(۹) القصص : ۲۹

(۱۰) طٰہٰ : ۲۱

(۱۱) احمد بن حنبل : المسند، ج اول ص ۱۲۸

(۱۲) محمد علی الفاروقی : کشاف اصطلاحات الفنون، طبع کلکتہ، ص ۶۶۳

(۱۳) محمد طاہر پٹنی : مجمع بحار الانوار، ج ۲ ص ۱۶۵

(۱۴) بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۱ ص ۵۰۶

(۱۵) محمد علی الفاروقی: کشاف اصطلاحات الفنون، ص ۶۶۳
(۱۶) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: عجالہ نافعہ مع شرح فوائد جامعہ از مولانا عبدالحلیم چشتی ص ۴۸
(۱۷) دانش گاہ پنجاب: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ "سیرت" ج ۱۱، ص ۵۰۵
(۱۸) شبلی نعمانی: سیرت النبی، مقدمہ ج ۱ ص ۸ حاشیہ
(۱۹) جوزف ہورووتس: سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مولفین مترجمہ نثار احمد فاروقی ص ۱۱
(۲۰) ڈاکٹر سید عبداللہ: فن سیرت نگاری پر ایک نظر، ماھنامہ فکرو نظر اپریل ۱۹۷۶ء، ص ۸۲۶
(۲۱) ایضاً
(۲۲) ابن ہشام: سیرت محمد بن ہشام ج ۱ ص ۱۵۱ تا ۱۵۵
(۲۳) محمد بن عبدالوہاب نجدی: مختصر سیرۃ الرسول ﷺ ص ۱۲
(۲۴) صفی الرحمٰن، مبارکپوری: الرحیق المختوم ص ۸۰ وبعد
(۲۵) شبلی نعمانی: سیرت النبی ج ۱ ص ۸ مقدمہ، ذیل حاشیہ
(۲۶) حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری: اصح السیر، ج ۱ ص ۸ مقدمہ
(۲۷) شبلی نعمانی: سیرت النبی، ج اول ص ۳۸، ۳۹ مع ذیل حاشیہ
(۲۸) سورہ نور: ۱۶
(۲۹) شبلی نعمانی: سیرت النبی ج ۱ ص ۴۱، ۴۲ مقدمہ بذیل حاشیہ
(۳۰) ایضاً ص ۸۳، ۸۴/ دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۴/ ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۶ مقالہ "علم سیرۃ" از ڈاکٹر سید عبداللہ
(۳۱) حکیم ابوالبرکات داناپوری: اصح السیر، ج ۱ ص ۱۱ مقدمہ